اسلام میں اختلاف کے آداب

(۵)

عہدِ صحابہ میں اختلاف اور اس کے آداب (۲)

ترجمہ و تلخیص جناب عبدالحی ابڑو صاحب - اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد

حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے مابین چند اختلافات

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ قرآنی علوم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف تھے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو جو قربت حاصل تھی ، اس کی بنیاد پر بہت سے صحابہ کرام آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہی شمار کرتے تھے - حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بہت زیادہ آمد و رفت اور اُن کے ساتھ قرب و تعلق کی وجہ سے ایک عرصہ تک ہم ابن مسعودؓ اور ان کی والدہ کو اہلِ بیت ہی سے سمجھتے رہے [1]"

حضرت ابومسعود بدریؓ نے ایک دفعہ حضرت ابن مسعود کو آتے ہوئے دیکھا تو ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے: "میرے خیال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے ان سے بڑھ کر کتاب و سنت کا علم رکھنے والا کوئی نہیں چھوڑا - یہ سن کر ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا : آپ سچ کہتے ہیں ، اس لیے کہ ہم جب غیر حاضر ہوتے تو یہ موجود رہتے - ہمیں جب روک دیا جاتا تب بھی انہیں اجازت ہوتی [2]-

---

[1] صحیح مسلم - احکام ابن حزم ۶۳/۶

[2] ایضاً

حضرت عمرؓ کی جلالتِ شان اور فقہ میں ان کا مقام معروف و مسلّم ہے۔ انھوں نے حضرت ابن مسعودؓ کو اُمورِ خلافت کی ادائیگی میں اپنا معاون بنا رکھا تھا۔ بہت سے اجتہادی مسائل میں آپ کی رائے حضرت عمرؓ کی رائے کے اس قدر مطابق ہوتی کہ اسلامی قانون سازی کے مؤرخین کا کہنا ہے کہ وہ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حضرت عمرؓ سے متاثر تھے۔ اکثر اوقات دونوں حضرات کا اجتہاد اور طریقۂ استدلال تک یکساں ہوتا تھا۔ بعض فقہی مسائل میں آپ نے اپنے اجتہاد سے رجوع کر کے حضرت عمرؓ کے اجتہاد کو اختیار کر لیا تھا۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو میراث سے حصہ دینے کے مسئلے میں آپ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا۔ بھائی کے انتقال کی صورت میں جب اُس کے ورثا دادا اور دوسرے بھائی ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق ترکے کا مستحق صرف دادا ہو گا اس لیے کہ وہ باپ کا قائم مقام ہے اور بھائی محروم رہیں گے جب کہ باقی تینوں مذاہب کے مطابق دادا اور بھائی دونوں وارث ہوں گے۔ کبھی دادا کو باقی بھائیوں کے برابر اور کبھی پورے مال کا تیسرا یا چھٹا دیا جائے گا۔ پہلی رائے حضرت ابوبکرؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی ہے۔ اور دوسری رائے کے قائل حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ کی بھی یہی رائے ہے۔[1]

اِس ذہنی ہم آہنگی کے باوجود بہت سے مسائل میں دونوں حضرات کا آپس میں اختلاف بھی تھا۔ جیسے حضرت ابن مسعودؓ رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان کر لیتے تھے۔ اور گھٹنوں پر رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ جب کہ حضرت عمرؓ کا عمل اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ گھٹنوں کے درمیان ہاتھ رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے: "اَنْتِ عَلَیَّ حَرَام" (تو مجھ پر حرام ہے) تو ابن مسعودؓ کی رائے کے مطابق یہ قسم ہے جب کہ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق یہ طلاق ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا۔ پھر اس سے نکاح کر لیا تو حضرت ابن مسعودؓ کی رائے یہ تھی کہ وہ جب تک ساتھ رہیں زنا کار ہیں، جب کہ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق پہلے زنا اور بعد کا عمل نکاح شمار ہو گا۔[2]

---

[1] الاحکام ۶/۱ [2] ایضاً

علامہ ابن قیمؒ نے "اعلام الموقعین" میں کہا ہے کہ حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان مختلف فیہ فقہی مسائل کی تعداد سو ہے۔ ان میں سے انہوں نے چار کا ذکر بھی کیا۔[1] یہ تمام تر اختلافات ان دونوں حضرات کے درمیان موجود باہمی محبت و احترام میں کسی قسم کی کمی کا باعث نہیں بنے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاں دو آدمی آئے۔ ان میں سے ایک نے حضرت عمرؓ اور دوسرے نے کسی اور صحابی سے قرآن مجید پڑھا تھا۔ پہلے شخص نے کہا کہ مجھے حضرت عمرؓ نے اسی طرح پڑھایا ہے۔ یہ سن کر ابن مسعودؓ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے جن سے اُن کے آگے پڑی ہوئی کنکریاں تک بھیگ گئیں۔ اور فرمایا: "جس طرح عمرؓ نے تمہیں پڑھایا ہے اسی طرح پڑھو۔ بلاشبہ وہ اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے، جس میں لوگ داخل ہوکر باہر نہیں نکلتے تھے، آپ کے انتقال سے وہ قلعہ ٹوٹ گیا ہے"۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود ایک روز آئے اور حضرت عمرؓ تشریف فرما تھے۔ آپ کو آتے دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "یہ تو علم و تفقہ سے بھرے ہوئے برتن کی طرح ہیں"۔ ایک اور روایت میں ہے: "میں علم سے لبریز اس شخصیت کو اہلِ قادسیہ (عراق) کے لیے منتخب کرتا ہوں"۔[3] یہ تھا ابن مسعودؓ کے بارے میں حضرت عمرؓ کا نقطۂ نگاہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے اختلافی مسائل انہیں ایک دوسرے کی نگاہ میں اور زیادہ قابلِ احترام بنا دیتے تھے۔ اس طرح کے واقعات ہمارے لیے اختلافی مسائل کے حل کے لیے رہنما اصول و آداب وضع کرنے میں مشعلِ راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

اختلاف کی چند دیگر مثالیں

صحابہ کرام نے جن آدابِ اختلاف کا مظاہرہ کیا ان کے مزید شواہد کے طور پر چند اور اختلافی مسائل پیش کیے جا رہے ہیں۔

جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام کی طرح حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہ تھی کہ باپ کی طرح دادا کی موجودگی میں بھی بھائی بہن وراثت سے محروم ہو جاتے

---

[1] اعلام الموقعین ۲/۲۱۸

[2] الاحکام ۶/۶۱

[3] طبقات ابن سعد ۳/۱۶۱، حیاۃ الصحابہ ۳/۲۵۷

ہیں وجہ یہ کہ حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ اور کچھ دیگر صحابہؓ کے ساتھ حضرت زید بن ثابت کی رائے یہ تھی کہ بھائی دادا کی موجودگی میں وراثت سے حصّہ پائیں گے اور دادا انہیں محروم نہیں کر سکتا۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے ایک روز کہا: کیا زید خدا سے نہیں ڈرتے، پوتے کو تو بیٹے کا قائم مقام بنادیا، مگر دادا کو باپ کا مقام نہیں دیتے۔ پھر کہا: میں چاہتا ہوں کہ میراث کے اس مسئلے میں جو لوگ مجھ سے اختلاف کرتے ہیں۔ وہ میرے ساتھ رکن بیت اللہ پر ہاتھ رکھ کر گڑگڑائیں اور کہیں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو......[1]

صحابہ کرام کے فقہی اختلافات کے ذکر سے ہمارا مقصود یہ نہیں ہے کہ اختلاف کی بنیادوں کو تقویت پہنچائی جائے یا اختلاف کو ہوا دی جائے بلکہ اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ اختلاف کے اصول و آداب کی متاعِ گم گشتہ کو پھر سے ذہن میں تازہ کر کے اس سے اپنے فقہی اختلافات کے حل میں مدد لی جائے۔ اور اپنے معاملات کے لیے اسے اسلوبِ زندگی بنایا جائے۔

حضرت ابن عباسؓ جنہیں اپنے مذکورہ اجتہاد کی اصابت اور حضرت زیدؓ کے اجتہاد کی غلطی پر اتنا وثوق تھا کہ وہ اس پر مباہلہ کرنے کے لیے بھی تیار تھا، ان کی خوبیٔ کردار کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک روز انہوں نے زید بن ثابت کو کسی سواری پر تشریف فرما دیکھا تو احتراماً ان کی سواری کی رکاب ہاتھ میں لے لی اور ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ حضرت زیدؓ نے کہا: اے فرزندِ عمِ رسولؐ آپ ہٹ جائیں اور ایسا نہ کریں۔ ابن عباسؓ نے کہا: ہمیں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ اپنے علماء اور بڑوں کے ساتھ ایسا ہی کریں۔ زید بن ثابت نے کہا: لائیں اپنا ہاتھ میری طرف بڑھائیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے ہاتھ آگے کیا تو حضرت زیدؓ نے اسے چوم لیا۔ اور فرمایا: ہمیں نبی کے اہلِ بیت کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے[2]

جب حضرت زید کا انتقال ہوا تو ابن عباسؓ نے فرمایا: "ھکذا یذھب العلم" (علم اسی طرح رخصت ہوتا ہے)[3] بیہقی کی روایت میں اس موقع پر ابن عباسؓ کا یہ قول نقل ہوا ہے: "آج علم کا

[1] اس حدیث کی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو، المحصول جلد ۲ ق ۲/ ۷۶ اور جلد ۲ ق ۱/ ۱۸۱

[2] کنز العمال ۷/ ۳۷ - حیاۃ الصحابہ ۲/ ۲۵۴

[3] اعلام الموقعین ۱/ ۱۸

بہت بڑا حصہ دفن ہو گیا۔[۱]

صدر اسلام میں بڑے بڑے فتنوں نے سر اٹھایا اور صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلافات رونما ہوئے اور نوبت جنگوں تک پہنچ گئی (جس کے اسباب و وجوہ کا صحیح علم صرف خدا ہی کے پاس ہے) مگر اس عالم میں بھی انہوں نے اہلِ فضیلت کے فضائل کو فراموش نہ کیا۔ اور ان عظیم حادثات اور فتنوں کے باوجود بزرگوں کے مناقب و مآثر ان کی نظروں سے کبھی بھی اوجھل نہ رہے۔

حضرت طلحہؓ جو جنگِ جمل میں شریک تھے، ان کے صاحبزادے عمران بن طلحہؓ جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے تو حضرت علیؓ نے انہیں خوش آمدید کہا، انہیں اپنے پاس بٹھایا اور کہا: اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کے والد کو اس جماعت میں سے بنائے گا۔ جن کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: "وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ" (الحجر - ۴۷) (ان کے دلوں میں جو کھوٹ کپٹ ہوگی اُسے ہم نکال دیں گے، وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر (جنت میں) آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے)۔ اس کے بعد حضرت طلحہؓ کے گھر والوں کے بارے میں فرداً فرداً پوچھنے لگے۔ بھتیجے! بچے اور ان کی مائیں کیسی ہیں؟ فلاں کا کیا حال ہے؟ فلاں کس طرح ہے؟

یہ دیکھ کر کچھ لوگوں کو جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل نہیں ہو سکا تھا اور ان کے لیے صحابیت کی عظمت و شرف کا اندازہ لگانا مشکل تھا، تعجب ہوا اور کنارے پر بیٹھے ہوئے دو آدمی بول اٹھے "اللہ انصاف فرمائے۔ کل انہیں سے جنگ کر رہے تھے، اور پھر جنت میں آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ گے؟ اس پر امام علیؓ نے انہیں غصے کی حالت میں کہا: یہاں سے دُور بھاگو، میں اور طلحہ جنت میں اس طرح قریب نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا؟"[۲]

کسی نے حضرت علیؓ سے جنگ جمل میں شریک ہونے والے آپ کے مخالفین کے بارے میں پوچھا: "کیا وہ مشرک ہیں؟ آپ نے فرمایا: شرک سے تو وہ بھاگ کر آئے ہیں۔ اس نے پھر پوچھا: کیا

---

[۱] سنن البیہقی ۶/۲۱۱۔

[۲] طبقات ابن سعد ۳/۲۲۴ - حیاۃ الصحابہ ۲/۴۶۱

منافق ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہم سے بغاوت کی۔[1]

جنگِ جمل کے بارے میں حضرت عمار بن یاسر کا موقف اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے برعکس تھا۔ کسی نے ان کے سامنے حضرت عائشہؓ کے بارے میں کوئی نامناسب بات کہی تو آپ غصے میں آگئے اور کہا: چُپ ہو جاؤ، بھونکنے والے گندے آدمی (اسکت مقبوحاً منبوحا) کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب زوجہ کو تکلیف پہنچانا چاہتے ہو؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جنت میں بھی آپؐ کی زوجہ ہی رہیں گی۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ وہ دُنیا و آخرت میں رسول اکرمؐ کی زوجہ رہیں گی۔ اس کے باوجود انہوں نے جو موقف اختیار کیا اس کے ذریعہ دراصل اللہ تعالیٰ ہمارا امتحان لینا چاہتے تھے کہ آیا ہم ان کی اطاعت کرتے ہیں یا خدا تعالیٰ کی۔

ادب واحترام کا اس سے اعلیٰ نمونہ جس کا مظاہرہ ایسے اشخاص نے کیا جن کے درمیان مشیت ایزدی سے آپس میں جنگ وقتال کا معرکہ گرم ہو چکا تھا اور کیا ہو سکتا تھا؟ شمع نبوت سے جو روشنی اُنھوں نے حاصل کی تھی، یہ اُس کا فیض تھا کہ وہ ان کے دلوں کو جگمگاتی رہی اور کینہ کی اندھیریاں ان کے قریب بھی نہ پھٹک سکیں۔

ضرار کی طرف سے حضرت علیؓ کی تعریف اور امیر معاویہؓ کا گریہ و بکاء۔ ایک روز ضرار بن ضمرہ کنانی حضرت معاویہؓ کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے حضرت علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا: امیر المومنین مجھے معاف رکھیں۔ آپ نے کہا: نہیں، آپ کو ضرور بیان کرنا ہوگا۔ ضرار نے کہا جب کچھ بتانا ضروری ہی ہے تو سُنیں:

"بخدا وہ ایک بلند نظر، دُور اندیش اور طاقت ور انسان تھے۔ ان کی بات فیصلہ کُن، اور فیصلہ عادلانہ ہوتا تھا۔ اور اُن کے اطراف وجوانب سے علم وحکمت کے چشمے پھوٹتے تھے۔ آپ دنیا اور اُس کی رنگینیوں سے دُور رہ کر رات کی تاریکیوں سے انس حاصل کرتے تھے۔ بخدا وہ بہت روتے تھے۔ اور غور وفکر میں محو رہتے تھے۔ اپنی ہتھیلیاں اُلٹتے پلٹتے تھے اور اپنے آپ سے باتیں کیا کرتے تھے۔ موٹا جھوٹا لباس اور کھانا انہیں پسند تھا۔ بخدا وہ ہمیں جیسے ایک آدمی نظر

[1] سنن البیہقی ۱۷۳/۸

آتے تھے۔ اُن کے پاس ہم جب جاتے تو وہ ہمیں قریب رکھتے اور ہماری باتوں کا جواب دیتے، لیکن اتنے قرب و تقرب کے باوجود ان کی ایسی ہیبت تھی کہ ہم اُن سے بات نہیں کر پاتے تھے۔ وہ مُسکراتے تو موتیوں جیسے دانت نظر آتے۔ وہ دینداروں کی تنظیم کرتے۔ اور فقراء و مساکین سے محبت رکھتے۔ کوئی طاقت ور آدمی اُن سے کسی غلط کام کرانے کی بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اور کوئی کمزور ان کے عدل سے کبھی مایوس نہ ہوتا تھا۔ میں خدا کو گواہ ٹھہرا کر کہتا ہوں کہ شب کی تاریکیوں میں انہیں بعض مواقع پر میں نے دیکھا کہ محراب کے اندر اپنی ڈاڑھی پکڑے ہوئے اس بے چینی سے تڑپ رہے ہیں کہ جیسے انہیں سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ اور کسی غم زدہ اور ستم رسیدہ شخص کی طرح رو رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اس وقت بھی ان کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے اور وہ کہہ رہے ہیں: یا ربنا یا ربنا۔ اے میرے پروردگار، اے میرے پروردگار! اس کے حضور وہ گریہ و زاری کر رہے ہیں۔ اور دُنیا سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں: تم میرے پاس آ رہی ہو، تم مجھ پر نظریں جما رہی ہو۔ افسوس، افسوس، جاؤ کسی دوسرے کو دھوکا دو، میں نے تمہیں تین طلاق دے دی ہے۔ تمہاری عمر مختصر، تمہاری محفل حقیر، اور تمہاری اہمیت بہت کم ہے۔ آہ، آہ زادِ راہ کتنا قلیل، سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشت ناک ...!!

یہ سن کر امیر معاویہؓ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے۔ آنسو اُن کی ڈاڑھی پر ٹپک پڑے، جسے وہ اپنی آستین سے پونچھتے جاتے تھے۔ روتے روتے حاضرینِ مجلس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ امیر معاویہؓ نے کہا: بلاشبہ ابوالحسن (حضرت علیؓ) ایسے ہی تھے۔ اللہ اُن پر رحمتیں نازل فرمائے۔ پھر اُنھوں نے پوچھا: ضرار تمہیں ان کا کتنا غم ہے؟ ضرار نے جواب دیا: اتنا جیسے کسی کا کوئی اپنا آدمی خود اُسی کی گود میں ذبح کر دیا جائے، جس سے اس کے آنسو نہ تھمیں اور نہ اُس کا غم سکون پائے۔ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور چلے گئے۔

لہ الحلیہ ۱/۸۴، الاستیعاب ۲/۴۴ - نیز: حیاۃ الصحابہ ۱/۴۷-۴۸۔
(نص کا ترجمانہ: ایم اختر صاحب)

خلافتِ راشدہ میں آدابِ اختلاف کے نمایاں خدوخال

اختلافی مسائل کا جائزہ لیتے وقت یہ بات سامنے آتی ہے کہ اختلافی اُمور میں کسی بھی صحابی کے دل میں نفسانیت کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں ہوتا تھا۔ اور جن اختلافات نے ان اُصول و آداب کو جنم دیا ہے، ان کی وجہ بھی حق و راستگی کی تلاش ہی تھی۔ عہدِ رسالت کے بعد آدابِ اختلاف کے چند نقوش یہ ہیں:

۱۔ جہاں تک ممکن ہوتا صحابہ کرام اختلاف سے بچنے کی کوشش کرتے۔ اور ان کی یہ شدید کوشش ہوتی کہ اختلاف سرے سے پیدا ہی نہ ہو سکے۔

۲۔ جب اختلاف کے معقول اسباب ہوتے (جیسے کسی سنت یا حدیث کے بارے میں معلومات میں کمی بیشی یا کسی نص کے فہم میں اختلاف وغیرہ) تو وہ حدودِ اختلاف سے آگے نہ بڑھتے اور حق بات فوراً قبول کر لیتے تھے۔ اور اپنی غلطی کے اعتراف میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ صحابہ کرام علم و فضل اور تفقہ کے حامل حضرات کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ اور کوئی اپنے مرتبے سے آگے نہیں بڑھتا تھا۔ ہر ایک کا یہ خیال ہوتا کہ رائے ایک مشترکہ معاملہ ہے، ہو سکتا ہے کہ جو رائے اس نے اختیار کی ہے وہ درست ہو، جس کی وجہ سے وہ اسے ترجیح دیتا ہے البتہ وہ اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کرتا کہ اس کے بھائی کی رائے جسے وہ مرجوح سمجھ رہا ہے، ممکن ہے وہی صحیح ہو۔

۳۔ وہ اسلامی اخوت اور بھائی چارے کو جس کے بغیر دین کا قیام ممکن نہیں، اسلام کی اہم بنیاد تصور کرتے تھے۔ اور اسے اجتہادی مسائل میں اتفاق و اختلاف سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

۴۔ اعتقادی مسائل میں اختلاف نہیں ہوا کرتا تھا، اختلاف صرف فروعی مسائل تک محدود رہتا۔

۵۔ قرا اور فقہا کی حیثیت سیاسی قیادت کی طرح نمایاں ہوا کرتی تھی، ہر ایک کا معروف اور غیر متنازعہ مقام و مرتبہ ہوا کرتا تھا۔

۶۔ اگر کوئی کسی کی لغزش کی نشان دہی کرتا تو اُسے ایک طرح کا تعاون سمجھا جاتا، نہ کہ عیب جوئی یا بے جا تنقید۔